ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اکبر الٰہ آبادی کی شاعری کی مابعد نو آبادیاتی تفہیم

POST-COLONIAL STUDY OF AKBAR ALLAHABADI'S POETRY

محمد عمیر آصف
ایم فل ریسرچ اسکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر محمد شفیق آصف
صدر شعبہ اردو و انچارج ڈین فیکلٹی آف سوشل سائینسز اینڈ ہیومینیٹیز
یونیورسٹی آف میانوالی

Abstract:
Akbar Allahabadi is a poet in the Urdu poetic tradition who, through his creative consciousness, revealed the inner layers of colonialism. The environment in which Akbar's poetry thrives is in colonial India, where he and other political and social leaders of his time are loyal to the British government. The historical context in which his poetry presents its meaning is the scenario of the post-1857 era of peace and reform and the beginning and the end of the First the World War. Although the concept of history is not very clear in his poetry, the external conditions which influenced his poetic temperament cannot be understood without being detached from the history. Akbar interprets the cultural conditions of the age with his poetic consciousness. In this article it is sought to study the Akbar's poetry in Postcolonial perspective.

مابعد نو آبادیاتی مطالعہ تنقید کا تشریحی انداز ہے، جس طرح تشریحی انداز میں کسی متن کے بنیادی مفہوم تک رسائی پیدا کی جاتی ہے نیز سیاسی، ثقافتی اور نظریاتی تناظر سے اس کے مفہوم کو سمجھا جاتا ہے۔ یہ ادبی متون میں موجود سیاسی طاقتوں کے مضمرات کو بھی کھولنے کی کوشش کرتی ہے۔ مابعد نو آبادیاتی مطالعہ ادب کو ثقافت اور ان طاقتوں کے زاویوں سے وابستہ کر کے اس کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ کرتا ہے۔ لسان العصر خان بہادر سیّد اکبر حسین المعروف اکبر الٰہ آبادی کی شاعری مغل سلطنت کے زوال اور انگریزوں کے عروج کی سرگذشت بیان کرتی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے ہندوستان کے فروغ حاصل کرتے اینگلو انڈین کلچر کے باطن میں پوشیدہ نو آبادیاتی رویوں کا سراغ لگایا۔ انہوں نے ہندوستان کی روایت، تاریخ اور سیاسی سباق میں اس بات کا شدت سے احساس دلایا کہ اس کڑے وقت میں قوم پرست مسلمان بہ نسبت زیادہ اذیت کی شکار ہیں۔ اکبر کو مشرقی عقائد کا بھی عرفان تھا اور مغربی علوم کو بھی انھوں نے بغور دیکھا تھا، باوجود اس کے کہ اکبر کو معلوم تھا کہ زمانہ سازی میں انگریزوں کا کردار ہے وہ ان کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، پھر بھی انھوں نے اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ ان کا شعری لہجہ بھی انگریزوں سے خوف زدہ نہیں ہے، ان کا بیانیہ ایک حوصلہ مند شخص کا بیانیہ ہے۔ اکبر نے برصغیر کے مستقبل پر یورپی اثرات کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں"

> "ہمارے عہد سے بہت پہلے اکبر نے انسانی حقیقتوں کی تفتیش کے سلسلے میں یہ بھید پا لیا تھا کہ انہیں ہم سنجیدہ اور مزاحیہ تجربوں کے الگ الگ خانوں میں رکھ کر نہیں دیکھ سکتے، اکبر کی بصیرت نے ہمارے اجتماعی شعور کی بصیرت تبدیل کر دی۔ یہ شاعری ایک طرح کی حکمتِ عملی تھی، اپنے اضطراب، اپنی برہمی، اپنے ملال اور اپنی افسردگی کو چھپانے کی اور اسی کے ساتھ ساتھ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے خطوط پر استوار ہونے والے تمدن کے اسرار کو عام کرنے کی ایک محیط گریۂ دل اور ایک آشنائے خندہ لب کی روداد، اکبر کی شاعری کے زریعے ساتھ ساتھ سامنے آتی ہے۔"(1)

اگرچہ اکبر کے علاوہ بھی کئی شاعروں نے قومی و ملی موضوعات پر شاعری کی ہے، مثلاً حالیؔ، شبلیؔ اور اقبال وغیرہ لیکن اکبر اپنی شاعری میں جن مسائل سے بحث کرتا ہے وہ دوسرے شاعروں سے مختلف ہیں۔ زمانۂ انقالب میں برطانوی حکومت، نئی تحریکیں، نئی ترقی، انگریزی علوم اور نئی ذہنیت کے مضامین کے بیان کی بہترین مثالیں اکبر کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

اکبر کی اس ساری مساعی کے پس پردہ یہ فکر کارفرما تھی کہ وہ جدید رجحانات کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرنا چاہتے تھے، اس انقلاب سے زمانہ میں جو مسائل پیدا ہو سکتے تھے اس کے متعلق خود اعتمادی سے اظہار کرتے تھے۔ ان کا انداز تقلیدِ زمانہ کی بجائے مزاحمت کا تھا۔ کہیں کہیں مذمت کا پہلو بھی نظر آتا ہے تاہم وہ مرمت کے خواہاں رہے۔

اکبر کی شاعری کے مختلف رنگ رہے، انھوں نے ابتدائی عمر میں شعر کہنا شروع کیا تو ان کے اشعار قدیم رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور آپ ناسخؔ سے متاثر نظر آتے تھے، تاہم بیسویں صدی کے آتے ہیں ان کے شاعرانہ شعور میں بھی اضافہ ہوا اور اس میں نئے مضامین، سیاسی، قومی اور نئے اسالیبِ بیان پیدا ہوئے۔ ان کے کلام میں ہمیں معرفتِ الٰہی، توحید، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کی وجہ ان کی ظرافت اور طرزِ جدید کی شاعری ہے۔

اکبر الٰہ آبادی کا زمانہ سیاسی حوالے سے نئی تبدیلیوں کا دور تھا اور ان کے ہم وطنوں کی حیثیت برطانوی سامراج کے محکوم ایشیائی باشندوں کی تھی۔ اس عہد میں سامراج اپنی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کا ہر حال میں برصغیر پر لاگو کرنے کا خواہاں تھا۔ ہندوستان میں انگریزی تمدن کے توسط سے اسکول اور کالج قائم ہو کر جدید نصاب پڑھایا جا رہا تھا جس کا واحد مقصد انگریزوں کے وفادار اور ہم خیال طبقہ پیدا کرنا تھا۔ قانون اور وکالت، ڈاکٹر، انجینئر اور اخبارات میں انگریزی جاننے والے افراد ہی لائق سمجھے جاتے تھے۔ کلب، ہوٹل، تھیٹر اور ریستوران میں جانے والے، آپیرا میوزک سننے والے، کرکٹ، ٹینس اور فٹ بال کھیلنے والے خود کو بہت مہذب اور اعلیٰ خیال کرتے جبکہ روایتی اقدار کے حامل لوگوں کا کم تر سمجھتے اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

اسی طرح اشرافیہ بھی انگریزی ادب کے بارے میں باتیں کرنا، انگریزی شاعروں کے نام لینا، آزادیٔ نسواں کے نام پر خواتین چار دیواری سے باہر نکلنے کی ترغیب دینا اس دور کا فیشن تھا۔ ہندستان کی شہری آبادی پر فرنگی تہذیب کا جادو سر چڑھ کر بول تہا تھا۔ امتحانات دینے اور ڈگریاں لینے کا واحد مقصد عہدوں کا حصول تھا۔ اس حوالے سے ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر علامہ اقبال عظیم ہیں کہ انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بھی اعلیٰ عہدہ حاصل کرنے کی تمنا نہیں کی۔ شاید وہ ایسا کرتے تو اتنے بڑے شاعر نہ ہوتے۔ اکبر الٰہ آبادی نے عدالت میں نوکری کرنے کے ساتھ ساتھ تخلیقِ شعر و ادب کو جاری رکھا۔

انھوں نے اپنی شاعری میں اس دور کی سیاست کا موضوع بھی اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی بھی قوم کی زندگی میں سیاست کا چلن دھیرے دھیرے سرایت کرتا ہے اور جہاں تک اکبر الٰہ آبادی کے دور کے ہندوستان کا تعلق ہے وہ سامراج کی سیاسی پالیسیوں کے اثرات تیزی سے قبول کر رہا تھا۔ ڈاکٹر افصح ظفر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جب مغربی قوموں نے سرزمین ایشیا کو جولاں گاہ بنایا تو سیاسی تصورات کے نئے نئے باب کھلنے شروع ہو گئے۔ نظام حکومت و سلطنت کی قدروں میں وفاداری، بہادری و سپہ گری کے ساتھ چالاکی، سازش، حکمتِ عملی، جاسوسی، غدر، بغاوت اور نعرہ بازی کی قدریں بھی آہستہ آہستہ شامل ہونے لگیں اور اس طرح سیاسی تصورات میں کچھ اتنے پیچ و خم پیدا ہوتے چلے گئے کہ عام آدمی کے لیے سیاسی شعور کا بھرم قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔ مگر اس کا ایک ہمہ گیر رخ بھی نکھر آیا کہ سیاست اعلیٰ طبقوں کے محلوں سے نکل کر عوام کی نچلی سطح تک آ گئی۔"(2)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اکبر الٰہ آبادی کے دور میں ہندوستان کی سیاسی صورتحال ماضی کے مقابلے میں اس لیے بھی اہم ہے کہ سیاست میں اب عوامی دلچسپی بڑھ گئی تھی اور اس چیز نے اکبر الٰہ آبادی کو فکری سطح پر نہ صرف متاثر کیا بلکہ انھوں نے اپنی شاعری کے زریعے ان سیاسی و سماجی حالات کا تجزیہ کرنا شروع کر دیا۔ اکبر الٰہ آبادی اس عہد کا وہ شاعر ہے جو نو آبادیاتی اثرات کو شاعری کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ برصغیر میں یہ وہی دور ہے جب یہاں ہندو اور علما ایک دوسرے سے مطابقت اور ہم آہنگی نہ رکھنے کے باوجود اپنے اپنے انداز میں سیاسی صورتحال کے اثرات کو اپنے اندر جذب کر رہے تھے۔ لہٰذا ڈاکٹر افصح ظفر کا یہ کہنا بہت برمحل ہے:

> "اکبر ہندوستانی تاریخ کے جس دور سے تعلق رکھتے ہیں وہ نئے اور پرانے خیالات و افکار اور نظریات کے ٹکراؤ کا دور ہے۔ خود اکبر کی زندگی کا مدخولہ گورنمنٹ رہی۔ دماغ مذہبی تعلیم سے نشوونما پانے کے باوجود سیاسی آزادی کا طلب گار رہا۔ دل اس کھوئی ہوئی عظمت کے لیے بے چین رہتا، جو کبھی واپس نہ آسکتی تھی۔ اس لیے قومی کمزوری کے فیصلہ کن مزاج نے دل کے جوش کو مصلحت پسندی پر مجبور کر دیا۔"(3)

انگریز قوم مسلمانوں کو اس لیے بھی اپنے مدِ مقابل گردانتی تھی کہ اس نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی لہٰذا وہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کو اپنا حریفِ اول سمجھتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی بھی اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ انگریز سامراج مسلمانوں کی اصل شناخت ختم کرنے کے درپے تھے اور ان کے نزدیک مسلمان ہی ان کا سب سے بڑا دشمن ہو سکتا ہے۔ ہندو اور بنگالی پہلے ہی سے غلامانہ ذہنیت رکھتے تھے۔

> "اس صورتحال میں اکبر کے سیاسی تصور میں جہاں مذہبیت کو بنیادی نقطہ قرار دینے پر مجبور کیا وہاں اس کا سیاسی شعور، طاقت کی عظمت کا اعتراف کرنے لگا۔ اکبر سیاسی آزادی میں طاقت کے تصور کو عسکری نظام اور سپاہیانہ شان میں دیکھتے ہیں(4)

ماہر اقتصادیات اور ماہر قوانین بتاتے ہیں کہ ہندوستان کے انتظامی معاملات بہتر بنانے کی بجائے انگریزوں یہاں استحصال کے کیسے کیسے طریقے آزمائے۔ ہندوستان میں برطانوی پالیسی سے سفید نسلوں کی برتری اور مقامی لوگوں کے استحصال کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے ہندوستان کو غیر صنعتی معاشرہ بنایا جو کہ صنعت اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ان کا صارف رہے۔ کاشت کاروں پر ظالمانہ ٹیکس عائد کیے گئے اور ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کو تباہ کر دیا۔ لارڈ کارنوالس نے ہندوستان میں ہندوستان میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام بنایا۔ اس کا مقصد برطانوی افواج کے لیے خوارک کی ضروریات کی منصوبہ بندی تھا۔ انگریزوں کے آنے کے بعد زمین کا ملکیتی تصور پروان چڑھا۔ ہندوستان میں پیدا ہونے والا سرمایے کا ارتکاز میٹروپولس میں ہوتا تھا۔

انگریزوں کی بنائی گئی پالیسیوں کا پورے ہندوستان پر یہ اثر ہوا کہ بھارت یا پاکستان آج تک یورپ کے کسی ایک ملک کا بھی معاشی حریف نہیں بن۔ اس کی حیثیت ان کی منڈیوں کی ہے جہاں سے سرمایہ ان کے طرف جاتا ہے اور ان کی مصنوعات یہاں فروخت ہوتی ہیں۔ نو آبادیاتی معاشرے کی عوام کو ایک مخصوص حد تک سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ پرانی مشینوں کی مرمت تو کر سکتے ہیں لیکن نئی مشین ایجاد کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ انڈیا، پاکستان میں آج کل جاپان اور چائنہ سے استعمال شدہ کاریں، الیکٹرانکس اور دیگر مشینیں درامد کی جاتی ہیں اور نئے کے بھاؤ فروخت ہوتی ہیں حالانکہ یہ اشیا وہاں آوٹ ڈیٹ ہو چکی ہوتی ہیں۔

اکبر الٰہ آبادی کے کردار کی یہ خوبی ہے کہ وہ انگریزی نظام سے حاصل ہونے چند فوائد کی وجہ سے اس کے نقصانات کو نظر انداز نہیں کرتے اور نہ ہی جذباتی ہوتے ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں فولاد سازی کی صنعت نے ہندوستان میں اتنی ترقی حاصل کر لی تھی اس سے بحری جہازوں کے مستول اور لنگر ڈھالے جاتے تھے۔ لوہار طبقہ کئی نسلوں سے کام سیکھ رہا تھا اور وہ اپنی مہارت، تجربات، مشاہدات کو وراثت میں منتقل کرتا تھا۔ یعنی باپ دادا کے علم کو وراثت میں حاصل کرنا بہت اعزاز سمجھا جاتا تھا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

۔ سکول و کالج کے قیام کے بعد نوجوان نسل اپنے اجداد کے ورثہ کو کسی قابل نہ سمجھتے تھے۔ انگریزوں نے ہندستانیوں کو محکومی اور ذلت کا خوب احساس دلایا۔ ان کے اذہان کو نفسیاتی طور مغلوب کر لیا۔ افسر شاہی نظام کو تشکیل دیا۔ افسران کے بڑے بڑے بنگلے اور خوبصورت آبادیاں قائم کی گئیں۔ انگریز افسروں میں احساس برتری اس قدر زیادہ تھا کہ وہ مزدور طبقہ کو انسان تک نہ سمجھتے تھے۔ اکبر الہ آبادی کی انگریزی کی اسی سوچ سے شدید نفرت تھی۔ اس حوالے سے خواجہ محمد زکریا رقم طراز ہیں:

> "اکبر الہ آبادی جب برطانوی حکومت پر تنقید کرتے ہیں تو اگرچہ یہ تنقید ہمہ گیر اور حکومت کے ہر شعبے پر محیط ہوتی ہے مگر ہندوستان میں انگریزیوں کی لوٹ کھسوٹ، معاشی استحصال اور ظلم و ستم کے واقعات خصوصی طور پر ان کے مدِ نظر رہتے ہیں۔"(5)

اکبر الہ آبادی اپنے عہد کے وہ نامور شاعر تھے جس نے سامراج کی حکمتِ عملی کو شعور کی آنکھ سے دیکھا وہ سر سید احمد خان کی مصالحانہ روش اختیار کرنے کی بجائے صاف انداز میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں:

مشرقی تو سرِ دشمن کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اکبر کو اہلِ مغرب کی نام نہاد دانش کا شعور بھی ہے اور ان کی تعلیمی پالیسیوں کا ادراک بھی۔ لہٰذا وہ برصغیر کے عوام کی طبیعت پر مغربی اثرات کو گہری نظر سے دیکھتے ہیں۔ "اکبر اپنی قوم کی ذہنی، علمی، ثقافتی، ملّی اور تہذیبی دنیا میں اس طور پر تنقید کرتے ہیں۔ اس خیال کے تحت کہیں مغربیت ان کے ذہن کو مسخ کر کے ہمیشہ کے لیے انھیں سیاسی ہی نہیں بلکہ ذہنی غلام نہ بنالے"۔ اکبر الہ آبادی کا یہ سیاسی شعور در اصل مزاحمت کے ڈسکورس کا حامل تھا، جو کہ مابعد نو آبادیات کا ڈسکورس ہے کہ کسی نظام کے اندر رہ کر اس کی خامیوں کو نشاندہی کرنا اور اس پر تنقید کرنا۔ مابعد نو آبادیاتی فکر کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والے اس شعری پیرائے کے بارے میں شمس الرحمان فاروقی لکھتے ہیں:

> "اکبر پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ ہندوستان میں "تعلیم"، "ترقی"، "اصلاح" اور جدید مصنوعات اور وسائل کے قیام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے ہو در اصل نو آبادیاتی سیاست اور مغربی سرمایہ دارانہ پھیلاو کے استحکام کے لیے ہے،"(6)

اس لیے اکبر الہ آبادی، مغربی نظامِ تعلیم کے اجرا کے بارے میں اپنا نقطہ نظر شعری حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

تعلیم جو دی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا فقط سر کاری ہے

اس شعر میں اکبر الہ آبادی مغربی تعلیم اور سامراج کے علمی حربے کو ایک ساتھ بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں، ان کے نزدیک سامراجی قوت برصغیر کے لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے لیے ایک ایسا تعلیمی نظام وضع کرتی ہے جو بازاری اور سرکاری ضروریات کا اسیر کر دے۔ اس ضمن میں ایک اور شعر ملاحظہ کیجئے:

اس کا پیچنا ہے اور اس کے ہیں بھپارے
یورپ نے ایشیا کو انجمن پہ رکھ لیا ہے

شمس الرحمان فاروقی رقم طراز ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

" محاورہ ہے " تلوار پہ رکھ لینا" اکبر سارے مشرق کو مغربی انجمن پر سوار دیکھتے ہیں۔ گویا یورپ نے مشرق کو صنعت و حرفت کی تلوار پر رکھ لیا ہے، یا مال کی طرح لاد لیا ہے۔"(7)

یہاں اکبر الٰہ آبادی اس بات سے بھی رنجیدہ اور فکر مند ہیں کہ برصغیر کے لوگ اب آہستہ آہستہ بے حسی کا لبادہ اوڑھ رہے ہیں جو انھیں مغربی سامراج کی مکمل اسیری میں نہ لے جائے لہٰذا اس سلسلے میں ان کا یہ شعر بر محل ہے:

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنھیں اے اکبرؔ
ان کو کیا غم ہے گناہوں کی گراں باری کا

اس شعر میں مال گاڑی ایک پورے نظام کو ظاہر کرتی ہے اور سامراج بھی برصغیر کے لیے یہاں کے عوام ان خاص زریعہ تھے۔ اکبر الٰہ آبادی اس بات کا بھی کامل ادراک رکھتے ہیں کہ انگریز سامراج لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کے زریعے ایشیائی عوام کے ذہن کو اپنے تابع کرنا چاہتے ہیں، وہ ایسے تعلیم یافتہ افراد پیدا کرنے کے خواہاں ہیں جو آبادیاتی نظام کو چلانے میں محض ان کے مددگار اور پیروکار ہوں، لہٰذا اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں:

پیری سے کمر خم ہے یہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو سکے پنجہ
وسعت ہے درِ علم میں ہے راہِ عمل بند
ہے صاف سڑک ، پاؤں پہ لیکن ہے شکنجہ

شمس الرحمان فاروقی رقم طراز ہیں:

"یہ تعلیم ذہن کو تیز تر کر سکتی ہے لیکن عقل نہیں دیتی کہ اس علم کا استعمال کرنے کی توفیق ہو اور نو آبادیاتی حاکم تعلیم کے ساتھ ساتھ پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دیتا ہے کہ قوتِ عمل ساقط ہو جائے۔ اس موضوع پر اکبر نے حیرت انگیز طور پر جدید باتیں کہی ہیں۔"(8)

اکبر الٰہ آبادی کا سیاسی و سماجی شعور بہت بلند ہے وہ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ سرکار برصغیر کے لوگوں کو محض ایک آلہ کار سمجھتے ہیں وہ ان کو جب چاہیں ایک کارکن کی طور پر استعمال میں لاتے ہیں لہٰذا اکبر الٰہ آبادی کا یہ شعر ایک بھرپور معنویت کے ساتھ سامنے آتا ہے:

دیا سلائی کی تیزی تو آگئی ہے ہم میں
کسر یہی ہے کہ ڈبیا انھیں کی جیب میں ہے

اکبر الٰہ آبادی سامراجی چال بازیوں کا خوب پردہ چاک کرتے ہیں اور اس بات کو احسن طریقے سے آشکار کرتے ہیں کہ انگریز قوم نے نو آبادیاتی نظام کے زریعے مشرقی اقوام کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ لہٰذا وہ حاکم اور محکوم پر یوں طنز کرتے ہیں:

عیسیٰ نے دل روشن کو لیا اور تم نے فقط انجن کو لیا
کہتے ہو کہ کہ وہ تھے باپ خوش اور تم خالی بھاپ سے

شمس الرحمان فاروقی لکھتے ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

" لفظ "خالی" اور "بھاپ" پر غور کیجئے۔ بھاپ در اصل گرم ہوا ہے اور انگریزی میں فضول باتوں کو Hot Air کہتے ہیں۔بھاپ کے معنی Vapor بھی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جدید ایٹمی بم جہاں گرے گا وہاں کی ہر چیز دور دور تک Vaporize ہو جائے گی(9)

یہاں اکبر کی شعری سوچ یوں واضح ہوتی ہے کہ مغربی سامراج اہلِ مشرق کو فضول باتوں میں الجھا کر اپنے تسلسل سے محو ہیں۔اکبر الہ آبادی جدید تعلیم کی فسوں کاری کو جگہ جگہ بیان کرتے ہوئے اس نکتے کو نمایاں کرتے ہیں کہ اس تعلیمی نظام نے روح اور عقل کو مغرب کا غلام بنا دیا ہے۔اس بارے میں اکبر الہ آبادی کہتے ہیں:

برق و تجارت کا زور اے حکیم
کیا ہے پئے روح و رہِ مستقیم

تار پہ جاتے نہیں اہلِ نظر
ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

اسی طرح اکبر الہ آبادی کا ایک اور شعر دیکھئے:

عقل سپردِ ماسٹر مال سپردِ آنجناب
جان سپردِ ڈاکٹر روح سپردِ ڈارون

نو آبادیاتی نظامِ تعلیم میں انسانی اقدار اور اخلاقیات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔اسی طرح یہ نظام انسان کو محض لفظوں کی کاریگری تو سکھاتا ہے تاہم عقل و خرد سے دور رکھتا ہے۔اکبر الہ آبادی آدمی سے انسان بننے کے عمل میں روحانی اور ذہنی بالیدگی کے ساتھ انسان دوستی کو لازمی خیال کرتے ہیں۔لہٰذا اس سلسلے میں اکبر الہ آبادی کا فکری منشور ملاحظہ کیجئے۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں

جستجو ہم کو آدمی کی ہے
وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

شمس الرحمان فاروقی کے بقول:

" جدید تعلیمی نصاب انسانوں کو "صاحب" یا "بابو" تو بنا دیتا ہے۔"آدمی نہیں بناتا۔اس کی وجہ تعلیمی نصاب علم کی تبلیغ سے زیادہ اس مقصد سے بنایا گیا ہے کہ لوگوں کو سرکاری نوکریوں میں کام پر لگائے۔(10)

اکبر الہ آبادی مابعد نو آبادیاتی اثرات کو بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں، ان کے نزدیک تعلیم سمیت بہت سی دوسری چیزوں کو ایشیائی ممالک کے لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے کہ انھیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور یہی اکبر الہ آبادی کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اکبر الٰہ آبادی نے انجن کو نئے سامراجی نظام کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے، اسی طرح وہ ڈارون کے نظریے پر واضح انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نئی تعلیم کو کیا واسطہ آدمیت سے
جناب ڈارون کو حضرتِ آدم سے کیا مطلب

یا الٰہی یہ کیسے بندر ہیں
ارتقا پر بھی آدمی نہ ہوئے

نئے نظامِ حکومت میں جدید تعلیم اور معاش کا گہرا تعلق ہے، 1857 سے پہلے ہی کمپنی کی حکومت میکالے کی سفارشات پر مبنی سامراجی نظام کا خاکہ بنا چکی تھی۔ اس تعلیم کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ملکی باشندوں کا سائنس اور ٹیکنالوجی کا ماہر بنایا جائے بلکہ حکومت کی مشینوں کے لیے کل پرزے فراہم کرنے، نیز حاکم کے درمیان رابطے کے لیے ایک ایسے طبقے کی ضرورت تھی جو رنگ و نسل کے اعتبار سے مغربی خیالات کا چربہ ہو۔ گویا سیاسی محکومی کے بعد ذہنی محکومی کا جال جدید تعلیم کے نام پر بڑی تیزی سے ملک میں پھیلایا جانے لگا(11)۔ اس صورتِ حال کو اکبر الٰہ آبادی نے اپنی نظمیہ اور غزلیہ شاعری میں کثرت سے بیان کیا ہے۔ وہ مغربی تعلیم کو اخلاقی بے راہ روی کا موجب بھی قرار دیتے ہیں۔ وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ ہمیں اپنی روایات اور تہذیبی ورثے کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اکبر الٰہ آبادی اپنی شاعری میں سامراجی نظام پر بھرپور تنقید کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اکبر کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اکبر الٰہ آبادی کو اس بات کا بھی دکھ تھا کہ قوم کے بچے مغربی رنگ و روش میں ڈھلتے جا رہے ہیں لہٰذا وہ کہتے ہیں:

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان کے ہاتھ میں

اکبر الٰہ آبادی ایک پڑھے لکھے اور باشعور انسان تھے۔ انھیں مشرقی روایات سے بے حد محبت تھی۔ وہ مغربی تعلیم کے خلاف بالکل نہ تھے بلکہ وہ جدید تعلیم کے پر فریب جال سے بچنے کی بات کرتے تھے۔ اکبر الٰہ آبادی کے تعلیمی نقطۂ نظر کے سلسلے میں مندرجہ بالا اشعار بہت اہمیت کے حامل ہیں:

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی زوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لینا ہے تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

کس کی نظر سے غائر کس کی نظر ہے موٹی

اکبر الٰہ آبادی ایسی تعلیم کے قائل تھے جو طلبا میں تعمیری سوچ کو پروان چڑھائے۔ علاوہ ازیں وہ سائنس کی تعلیم کو بھی انسانی بہبود اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار رقم طراز ہیں:

> "اکبر جدید مغربی علوم کی تحصیل کے مخالف نہیں تھے۔ قومی اساس پر ثابت قدم رہتے ہوئے وہ جملہ علوم کے حصول کو معاشرتی نقطہ نظر سے ضروری خیال کرتے تھے۔ مغربی علوم کے سطحی انجذاب کی بجائے وہ ان کے بھرپور علم اور تجربے کو ترجیح دیتے تھے"(12)

اکبر الٰہ آبادی ایک تعمیری اور مثبت سوچ رکھنے والے مسلمان تھے، ان کی شاعری بھی ان کے فکر و احساسات کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔، اکبر الٰہ آبادی اپنے عہد کے وہ اہم شاعر تھے جنہوں نے مغربی نظام کی منفی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوے شعری پیرائے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ اکبر الٰہ آبادی کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ طنزیہ لہجہ اختیار کرنے کے باوجود شعری محاسن کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیتے بلکہ وہ اپنے ذہن رسا سے اپنے قارئین کے حقائق و معارف کے نگینے تراشتے ہیں۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو

بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

جس بات میں تم شکستِ ملّت سمجھو
اس میں شرکت کو اپنی ذلّت سمجھو

جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اُس میں قلت سمجھو

اکبر الٰہ آبادی اردو نظم کی روایت میں وہ اہم شاعر ہیں جنھیں نو آبادیاتی نظام کے تناظر میں مابعد نو آبادیاتی مطالعے کے بہت سا فکری مواد پیش کیا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے تعلیم کے مختلف شعبوں کے حوالے سے فکر انگیز خیالات پیش کیے ہیں۔ "فلسفے کی تعلیم کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ خواہ مشرقی ہوں یا مغربی، اس سے تشکیک اور الحاد کے دروازے کھلتے ہیں۔ سائنس کی تعلیم دنیوی تعلیم کے لیے لازمی ہے، لیکن یہاں بھی وہ کتابی علم کے رٹنے اور مقلد بننے سے زیادہ تجربے اور عمل کو ضروری خیال کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک سائنس ایک تجرباتی علم ہے اور تجربے اور عمل کے بغیر ملک میں جس قسم کی سائنسی تعلیم کو فروغ دیا جارہا ہے اس سے ان کے نزدیک کسی دنیوی فائدے کی بھی توقع نہ تھی(12) ۔ اکبر الٰہ آبادی ترقی اور کامیابی کے لیے ایسے علم اور تعلیم کو اہم سمجھتے تھے جو تعمیری اور صالح اقدار کا حامل ہو، وہ علم و دانش کے امتزاج کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک کفر و الحاد پیدا کرنے والا تعلیم نظام علم نہیں بلکہ جاہلیت کا نکتہ عروج ہے، وہ اسلام اور اخلاقیات کو تعلیم کا زیور گردانتے تھے۔

تکمیل میں ان علوم کے ہو معروف

نیچر کی جو طاقتوں کو کردیں مکشوف

لیکن تم سے امید کیاہو کہ تمہیں
عہد ہ مطلوب ہے یا وطنِ مالوف

سوچو کہ آگے چل کر قسمت میں کیا لکھا ہے
دیکھو گھروں میں کیا تھا اور آج کیا

ہشیار رہ کے پڑھنا ، اس جال میں نہ پڑنا
یورپ نے یہ کہا ہے ، یورپ نے وہ کہا ہے

انسان یا بہت سے دلوں کو ملا سکے
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے

ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

اکبر الٰہ آبادی قومی عزت اور غیرت کی پاسداری کا برابر درس دیتے رہے، انھوں نے انگریزی تعلیم کے حصول سے کہیں بھی منع نہیں کیا تاہم وہ تعمیر اور تخریب، خیر اور شر کے مابین فرق رکھنے کے قائل تھے۔ انھوں نے اپنے افکار میں ان اوصاف کو اپنانے پر زور دیا جو اہلِ مشرق کا شیوہ ہیں۔

حاصل کرو علم ، طبع کو تیز کرو
باتیں جو بُری ہیں ان سے پرہیز کرو

قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبرؔ
اس میں کیا ہے کہ نقلِ انگریز کرو

اکبر الٰہ آبادی نے نو آبادیاتی نظام کے ردِ عمل میں بہت خوبصورت شاعری کی ہے۔ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر صنعت و زراعت کی تعلیم کو اہم قرار دیتے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں وہ شعبے ہیں جہاں انسان کو روزگار کے لیے سرمایہ دار کمپنی یا حکومت کا ملازم نہیں ہونا پڑتا۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں:

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی

کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لیے ہے کافی اے دل نیکی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.1 2021

اکبر الٰہ آبادی کا عہد نو آبادیات کے عروج کا دور تھا۔ جدید تہذیب کے خوشنما لباس اور دلفریب نام سے نئی طرز کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ایک جال تھا کہ جو ملک بھر میں پھیلتا جارہا تھا اور وہ حیرت زدہ سے ہو کر اس اجنبی ماحول میں نئی نسل کی ذہنی حالت کو پروان چڑھتے دیکھ رہے تھے"(13)

نہ تجربے کی فُغاں کا سامع ، نہ ذوقِ عقبیٰ کا کوئی طامع
نئی نگاہیں ، نئے مناظر ، زمانہ ہے اور جوانیاں

رباعی ایک مشکل صفِ سخن ہے اور اکبر نے رباعیات بھی لکھی ہیں، ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو:

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں
اور ترے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بے خوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

اکبر کی یہ رباعی بہت گہرائی کی حامل ہے "لاحول" کا ترجمہ انگریزی میں کرنے کی تلقین میں دونوں طرف طنز ہے ہندوستانیوں پر طنز کہ وہ قدیم علوم کی خوبیوں کو انگریز کے سامنے بیان کرنا نہیں جانتا، اپنی قوتوں کو بھول چکا ہے اور انگریزی پر طنز کہ وہ اپنے علاوہ کسی کی بات سمجھنے سے قاصر ہے۔(14) اکبر الٰہ آبادی کو مابعد نو آبادیاتی حوالے سے دیکھیں تو وہ نصاب تعلیم سے لے کر زندگی کے دوسرے شعبوں کے حوالے سے بھی بات کرتے ہیں۔ انھیں برصغیر کے لوگوں سے یہ شکوہ بھی ہے کہ انگریزی کی نفرت اور تعصب کے باوجود ان سے بے حد مرعوب ہیں۔ اسے ایک طرح کی نفسیاتی کمتری سمجھتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کا یہ اشعار ملاحظہ ہو:

باتیں ہرگز خلافِ عزت نہ کرو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو

بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
پتلون پہن کر ترکِ طاعت نہ کرو

اکبر الٰہ آبادی کا طنزیہ انداز گہری ایمائیت رکھتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے غزل اور نظم میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے اس کے علاوہ وہ مثنوی، رباعی، قطع، مخمس اور مسدس میں بھی اپنا تخلیقی اظہار کر چکے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کی غزل گوئی کے حوالے سے غلام حسین ذوالفقار رقم طراز ہیں:

"اکبر نے اپنے معاصر شعرا کی طرح روایتی انداز میں شعر و سخن کا آغاز کیا، لیکن بہت جلد وہ اس نے وقت کی راگنی سے کنارہ کش ہو گئے، کیونکہ زمانہ بدل گیا تھا اور زمانے کے بدلنے کے ساتھ اس کے ساز و آہنگ بھی بدل گئے تھے"(15)

لہٰذا بدلتے ہوئے زمانے انداز یوں بیان کرتے ہیں:

اب شغلِ زندگی کے ہیں قانوں ہی کچھ اور
کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور

وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسوں ہی کچھ اور

اسی طرح اکبر کا ایک شعر ملاحظہ ہو

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانا بدل گیا

اکبر الٰہ آبادی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے کسی پیش رو کی تقلید کرنے کی بجائے اپنا راستہ چنا ہے اور یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انھوں نے نئے زمانے کے حالات کو و دیگر شعرا کے مقابلے میں زیادہ شدت سے محسوس کیا ہے لہٰذا اس لیے ان کا موضوعاتی اور فکری جہان سب سے الگ ہے۔

واہ اکبرؔ یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حُسنِ بندش تو یہ اور اس پہ خیالات ایسے

اکبر الٰہ آبادی کی شاعری میں طنز و ظرافت کا رنگ ان کی خاص کا رنگ ان کی خاص پہچان ہے، چنز و ظرافت کے سہارے ہی وہ سامراج کو تنقید کے کٹہرے میں کھڑا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا یہ کہنا بالکل بر محل ہے:

"اکبر کا زمانہ ایک عظیم کش مکش اور آویزش کا حامل تھا۔ انگریز استعمار کی توپیں اپنا کام ختم کر کے میدان سے رخصت ہو چکی تھیں اور ان کی جگہ پروفیسر نئی تعلیم کے رندوں سے لیس ہو کر مغلوب قوم کے ذہن و فکر کو ڈھب پر لانے کا کام شروع کر رہے تھے"(17)

اس صورتحال کو اکبر الٰہ آبادی یوں بیان کرتے ہیں:

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے
جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

ڈاکٹر شمس الرحمن فاروقی مندرجہ ذیل شعر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

بسولہ یعنی لکڑی یا پتھر کاٹنے کی کلہاڑی اور رندا یعنی لکڑی کو چھیل چھال کر اس کی ناہمواریاں نکال دینے کا اوزار۔ لہٰذا پہلے تو اہلِ ہند کی حکومتوں کو تاراج کرو پھر وہاں انگریز پڑھانے والے استاد بھیجو تاکہ ہندیوں کا ہندوستانی پن نکل جائے"(18)

سامراج کی یہ جنگ اب رُخ تبدیل کر چکی تھی وہ برصغیر کی تہذیبی قدروں کو فکری آلات کے زریعے تبدیل کر رہے تھے اور یہ ان بہت بڑا نو آبادیاتی حربہ تھا، ایسے حالات میں اکبر الٰہ آبادی کا ردِ عمل شعری پیرائے سامنے آتا ہے جو ایک طرح کا مابعد نو آبادیاتی رویہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں یہ دعویٰ پیش کیا گیا ہے کہ مابعد نو آبادیاتی فکر کا آغاز نو آبادیات کے خاتمے کے بعد شروع نہیں ہوتا بلکہ نو آبادیات کے خلاف مزاحمت کی پہلی آواز کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ "طنز و ظرافت کے سلسلے میں اکبر کے مخصوص کرداروں اور علامتوں کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ کردار اور علامات بر عظیم کی سیاسی اور سماجی زندگی مختلف طبقوں اور شعبوں کی نمائندگی

کرتے ہیں۔ کرداروں میں شیخ وسید سے لے کر گاندھی ومالوی، میر ومرزا، بابو وملّا، مسٹر وچیلا، پنڈت ولالہ، لاٹ وصاحب، بیگم ومس، کریمن ونصیبن، شبراتی ووفاتی، کلّو وصلّو ، بدھو وجمن، گنگو وپیر، غرض راہنما ورہرو، حاکم ومحکوم، اعلیٰ وادنیٰ، سبھی طبقے اس میں آجاتے ہیں۔ علامتوں میں اونٹ، گائے، پائپ، خرعیسیٰ، بل ڈاگ، بند لنگور، کیمپ، چرچ، مسجد، ریل ائیر شپ، انجن، تھیٹر، وغیرہ قابل ذکر ہیں(19) اکبر الہٰ آبادی کے ان کرداروں اور علامتوں کے ذریعے ہم ان کے شعری نظام کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ وہ اسی شعری نظام کے ذریعے نہ صرف سامراج کے تسلط اور ان کی پالیسیوں کو ہدف تنقید بلکہ ان کی زد میں ان کے اپنے ہم وطن بھی آتے ہیں۔ لہٰذا اکبر الہٰ آبادی کے مطالعہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے تمام فکری زاویوں تک رسائی کی جائے اور اس حوالے سے ان کے یہ اشعار ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں:

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکر شاعر
ذات سے ان کی مخاطب نہیں فکرشاعر

بدھو کا لفظ تھا فقط ایک مصلحت کی بات
دل میں مرے نہاں ہے جو مرے جی کی بات

بدّھو سے صرف ہند کا مُسلم مراد ہے
مقصود عاجزی ہے غرور ایک فساد ہے

اکبر الہٰ آبادی کا یہ رنگِ سخن اپنے موضوعات کے اعتبار سے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ بیک وقت ان تمام کرداروں پر طنز کرتے ہیں جو کسی نہ کسی طرح برصغیر کے ان مخصوص حالات میں سامراج کے زیرِ اثر ہیں۔ یہ دراصل اکبر الہٰ آبادی کا وہ ردِ عمل ہے جو ان کی شعری شناخت کا بھرپور حوالہ ہے۔ اکبر الہٰ آبادی ایک "محرم اسرار" بھی ہیں۔ انھوں نے طنز وظرافت کے بہاوے میں سامراج اور اپنے عہد کی تمام تر صورتحال کو شعری پیکر عطا کیے ہیں لہٰذا وہ اپنے اس کردار کے بارے میں کہتے ہیں:

چھوڑنا ممکن ہے اکبر شوخیٔ گفتار کو
ترکِ حق گوئی ہے مشکل محرمِ اسرار کو

اکبر الہٰ آبادی چونکہ وکیل اور سیشن جج بھی رہے لہٰذا ان کا سیاسی شعور بہت بلند تھا۔ انگریزیوں کی نو آبادیاتی پالیسیوں کے ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ اکبر الہٰ آبادی نے انگریزوں کی سیاسی، علمی اور سائنسی سرگرمیوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بنیادی طور پر یہ قوم مکّار اور موقع پرست ہے اور اس کا ہر قدم مفاد پسندی پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر افصح ظفر رقم طراز ہیں:

> " انگریزوں کی سیاسی چابکدستی اور مشرقیوں کی سیاسی ابتری نے ایک عجب صورتحال پیدا کر دی تھی۔ ہندوستان کے لوگوں کو صحیح طور پر کوئی راہنمائی نہیں مل رہی تھی۔ ذہنی اور عملی طور پر وہ مفلوج ہو چکے تھے۔ اس قومی دوالیہ پن نے ہر ایک کو مخبوط الحواس کر دیا تھا۔ ان کے فیصلے غلط ہوتے، ان کے قدم غلط پڑتے اور ان کا سیاسی تدبر اندھیری راہوں میں بھٹکتا رہتا۔ اکبر بھی اس قومی افراتفری کا ایک حصہ تھے"(20)

ِ مذکورہ بالا اشعار سے اکبر الہٰ آبادی کے قومی اور ملی شعور کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی قوم کی اس حالت زار کو شعری پیرائے میں ابھارتے ہیں جو انگریز سامراج کے ذریعے پروان چڑھتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ شمیم حنفی، سر سید سے اکبر تک (نئی دہلی:مکتبہ جامع،2011ء)ص179
2۔ افصح ظفر،ڈاکٹر،اکبر الٰہ آبادی ، ایک سیاسی و سماجی مطالعہ (لاہور:دارالشعور،2015ء)ص83
3۔ ایضاً،ص84
4۔ ایضاً،ص85
5۔ خواجہ محمد زکریا،اکبر الٰہ آبادی تحقیقی و تنقیدی مطالعہ(لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،2003ء)ص123
6۔ شمس الرحمن فاروقی،اکبر الٰہ آبادی،نو آبادیاتی نظام اور عہدِ حاضر(مشمولہ)نو آبادیات و مابعد نو آبادیات (مرتبہ)محمد عامر سہیل(لاہور:عکس پبلی کیشنز،2019ء)ص284
7۔ ایضاً،ص285
8۔ ایضاً،ص284
9۔ ایضاً،ص285
10۔ ایضاً،ص283
11۔ غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر، اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر (لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،2008ء)ص327
12۔ ایضاً،ص329
13۔ ایضاً
14۔ ایضاً،ص330
15۔ ایضاً
16۔ ایضاً
17۔ ایضاً
18۔ شمس الرحمان فاروقی،اکبر الٰہ آبادی،نو آبادیاتی نظام اور عہد(مشمولہ)نو آبادیات و مابعد نو آبادیات(مرتبہ)محمد عامر سہیل،ص286
19۔ غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر،اردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر ،ص309
20۔ افصح ظفر،ڈاکٹر،اکبر الٰہ آبادی،ایک سیاسی و سماجی مطالعہ،ص89